معتزلہ کے تفسیری اقوال کے متعلق امام رازیؒ کا منہج: تفسیر مفاتیح الغیب کے حوالے سے ایک تحقیقی مطالعہ

Methodology of Imam Razi in context to his attitude towards exegetical dictums of Mu'tazila: A study in perspective of Tafseer Mafatihul Ghaib

ڈاکٹر حفیظ اللہ [i]   ڈاکٹر نیاز محمد [ii]

Abstract

Imam Fakhr al-Dīn al-Rāzī (deceased 606 Hijri/ 1209 A.D) holds a distinctive position among the Islamic scholars who nurtured a new pattern of exegesis through his work *Tafsīr* Mafāṭīḥ *al-ghayb,* well known as Al-*Tafsīr al-Kabīr*. He was at the same time an exegete, jurist, principled, speaker, philosopher and an expert physician along with being an acknowledged specialist of logic. Therefore all these characteristics are found in his exegesis on large scale. One of the attributes of his exegesis is, taking benefit from the collection of Mu'tazila's commentary in order to produce an amalgamation of imitation and observation. On one hand he repudiated their reprobative opinions with proofs and on the other hand, he was not ungenerous in appreciating their admirable opinions. So his exegesis is a masterpiece of traditionalism in the collection of Islamic literature. In this article, Methodology of Imam Razi in context to his attitude towards exegetical dictums of Mu'tazila has been shown with a purpose to understand and develop the Razi's rational in the Present era of thoughts and contemplation. Though this article is written after a specific study of volume 6 of Tafseer e Kabir, nonetheless the same methodology has been promoted in the whole of his Tafseer.

Key words: Mu'tazila, Fakhr al-Dīn al-Rāzī, Al-Tafsīr al-Kabīr,

اسلامی شریعت کا محور اور دین اسلام کا اولین مصدر قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید پر عمل تب ہی ممکن ہے جب اس کے معانی و مطالب کو سمجھا جائے۔ قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس کے اولین مخاطبین کی مادری زبان بھی عربی تھی اس لیے قرآن کریم کے معانی معلوم کرنے میں انھیں عموماً کوئی زیادہ دقت پیش نہیں آتی تھی تاہم جس آیت یا لفظ میں اجمال یا کوئی نئی معنوی جہت ہوتی تو اہل زبان ہونے کے باوجود وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت

i ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج آف مینجمنٹ سائنسز جمرود ضلع خیبر

ii پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان

کر لیا کرتے تھے اور آپ ﷺ ان آیات کی توضیح و تشریح فرماتے۔ چونکہ قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کا کام سب سے پہلے نبی ﷺ نے اپنے اقوال وافعال سے پیش کیا اس لیے قرآن مجید کے پہلے شارح اور پہلے مفسر حضور ﷺ ہی تھے۔ پھر دور صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور مابعد کے ادوار میں جب اسلامی علوم میں توسیع و تنوع ہوتا رہا تو مختلف مناہج کو اپنانے والے تفسیر قرآن کے ماہرین پیدا ہوتے رہے، اور اس طرح ہر دور میں معاصر ضروریات کے لیے امت مسلمہ کے پاس تفسیری سرمایہ میں اضافہ ہوتا رہا۔

چونکہ قرآن مجید ایک معجز کتاب ہے اور تمام اسلامی علوم کے سرچشمے اسی کتاب مقدس سے پھوٹتے ہیں اس لیے آغاز اسلام سے لے کر تادم ایں مختلف پہلوؤں سے اس کی توضیح اور تفسیر کا سلسلہ جاری وساری ہے اور نئے نئے علمی جہات سامنے آرہے ہیں۔ تفسیری سرمایہ میں متقدمین ومتأخرین کی کئی تفاسیر نمایاں مقام رکھتی ہیں تاہم بعض تفاسیر کو اللہ تعالیٰ نے متعدد خصوصیات کی بناپر کچھ ایسی قبولیت بخشی ہے کہ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی ان کی اہمیت کم نہیں بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ ہورہاہے۔ ایسی ہی تفاسیر میں امام فخر الدین رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) کی تفسیر مفاتیح الغیب نمایاں مقام رکھتی ہے۔

زیر نظر مقالہ میں معتزلہ کے تفسیری اقوال کے بارے میں امام رازیؒ کے انداز بیان کو پیش کیا گیاہے۔ گو کہ آپؒ نے یہ عمومی انداز بیان و منہج اپنی پوری تفسیر میں اختیار فرمایاہے، تاہم زیر نظر مقالہ ان کی تفسیر کبیر (جلد ششم) کو پیش نظر رکھ کر پیش کیا گیاہے [1]۔

الف: امام رازیؒ اور آپؒ کی تفسیر کا عمومی تعارف:

آپ (امام رازیؒ) ۵۴۴ھ/۱۱۵۰ء میں ایران کے دارالخلافہ طہران کے ایک قدیم اور مشہور شہر "ری" میں پیدا ہوئے۔ اس علاقے کی طرف نسبت کی وجہ سے آپ کو رازی کہاجاتاہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ضیاء الدین عمر سے حاصل کی جو خطیب ری کے لقب سے مشہور تھے اس لیے امام رازیؒ کو ابن الخطیب بھی کہاجاتاہے۔ اپنے والد ماجد کے علاوہ کئی دیگر نامور معاصر علماء سے بھی استفادہ کیا [2]۔

امام رازیؒ یگانہ روزگار عالم تھے۔ آپ علم تفسیر، علم کلام وفلسفہ اور علم لغت میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ آپ بیک وقت مفسر، فقیہ، اصولی، متکلم وفلسفی اور طبیب ہونے کے علاوہ عربی وفارسی کے بہترین واعظ وخطیب بھی تھے۔ آپ نے علوم عقلیہ اور نقلیہ دونوں میں عمدہ تصانیف لکھیں جن کی تعداد ۹۳ تک پہنچتی ہے۔ تفسیر مفاتیح الغیب امام رازیؒ کی تصانیف میں سب سے مشہور تصنیف ہے۔ اس تفسیر کے متعدد قلمی نسخے استنبول اور مصر میں موجود ہیں اور بتیس جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر دنیا کے کئی ممالک سے شائع ہورہی ہے۔ گو کہ اس تفسیر کا اصل نام تفسیر مفاتیح الغیب ہے تاہم مسلم دنیا میں یہ تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔ اس تفسیر کو تفسیر کبیر کا نام دینا گویا اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ قرآنی تفسیر کی

انسائیکلوپیڈیا ہے اور اس میں اپنے پیش رو تمام تفاسیر کی خصوصیات جمع ہیں۔ یہ تفسیر بیک وقت روایت و درایت، عقل و نقل ، فقہی مسائل، تقابل ادیان و مذاہب اور رموز تصوف کا حسین مرقع ہے۔

امام رازیؒ اپنی تفسیر میں حکماء کا طرز و انداز اختیار کرتے ہوئے ان کی طرح کلامی اور منطقی دلائل و براہین کی راہ پر گامزن ہوئے ہیں۔ اس طرح تفسیر کبیر ایک ضخیم معقولاتی تفسیر ہے۔ تمام قرآنی حقائق کو اپنے زمانے کے علمی مزاج کے مطابق فلسفے اور منطقی انداز سے ثابت کرنا فخر الدین رازی کی خصوصیت ہے۔ کونیات (تخلیق کائنات سے متعلق مباحث) میں انہوں نے خصوصی دلچسپی لی ہے اور ریاضی، علوم طبیعی اور علم الافلاک پر مبنی مباحث کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔

آیات کی تفسیر کرتے وقت ربط و مناسبت کے بعد ان کو چند مسائل میں تقسیم کر دیتے ہیں اور اسے "**وَفِي الْآيَةِ مَسَائِلُ** "کا عنوان دیتے ہیں۔ پھر اس کے تحت ذیلی عنوانات(**الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى ، الْمَسْأَلَةُ الثَّانِيَةُ**)دے کر مختلف مباحث ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۱۲ کے تحت فرماتے ہیں:

اعْلَمْ أَنَّهُ تَعَالَى لَمَّا ذَكَرَ مِنْ قَبْلُ حَالَ مَنْ يُبَدِّلُ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ وَهُمُ الْكُفَّارُالَّذِينَ كَذَّبُوا بِالدَّلَالَةِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَعَدَلُوا عَنْهَا أَتْبَعَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِذِكْرِ السَّبَبِ الَّذِي لِأَجْلِهِ كَانَتْ هَذِهِ طَرِيقَتُهُمْ فَقَالَ: زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَمَحْصُولُ هَذَا الْكَلَامِ تَعْرِيفُ الْمُؤْمِنِينَ ضَعْفَ عُقُولِ الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي تَرْجِيحِ الْفَانِي مِنْ زِينَةِ الدُّنْيَا عَلَى الْبَاقِي مِنْ دَرَجَاتِ الْآخِرَة. وَفِي الْآيَةِ مَسَائِلُ: الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى[3]

"یعنی اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں نعمت الٰہی کو تبدیل کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا جو کہ دلائل توحید اور انبیاء کو جھٹلانے والے اور ان سے پہلو تہی کرنے والے کفار ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ان کی اس روش کے سبب (حب دنیا) کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ آیت میں مومنوں کی تعریف اور دنیا کے فانی زیب وزینت کو آخرت پر ترجیح دینے والے کفار و مشرکین کی کم عقلی کا ذکر ہے۔ نیز آیت کی تفسیر میں کئی مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔"

پہلا مسئلہ:

اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۱۳ کے تحت فرماتے ہیں:

اعْلَمْ أَنَّهُ تَعَالَى لَمَّا بَيَّنَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ الْمُتَقَدِّمَةِ أَنَّ سَبَبَ إِصْرَارِ هَؤُلَاءِ الْكُفَّارِ عَلَى كُفْرِهِمْ هُوَ حُبُّ الدُّنْيَا، بَيَّنَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ أَنَّ هَذَا الْمَعْنَى غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِهَذَا الزَّمَانِ، بَلْ كَانَ حَاصِلًا فِي الْأَزْمِنَةِ الْمُتَقَادِمَةِ، لِأَنَّ النَّاسَ كَانُوا أُمَّةً وَاحِدَةً قَائِمَةً عَلَى الْحَقِّ، ثُمَّ اخْتَلَفُوا وَمَا كَانَ اخْتِلَافُهُمْ إِلَّا بِسَبَبِ الْبَغْيِ وَالتَّحَاسُدِ وَالتَّنَازُعِ فِي طَلَبِ الدُّنْيَا فَهَذَا هُوَ الْكَلَامُ فِي تَرْتِيبِ النَّظْمِ. وَفِي الْآيَةِ مَسَائِلُ: الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى:[4]

"یعنی اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیت میں دنیا کی محبت کو کفار کے کفر کا سبب بتلایا، اب فرما رہے ہیں کہ حب دنیا کا سبب کفر ہونا اسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ گزشتہ زمانوں میں بھی کفر پر قائم رہنے کا یہی سبب تھا کیونکہ ابتداء میں تمام لوگ حق پر قائم ایک ہی امت تھے۔ بعد میں انہوں نے باہم اختلاف کیا۔ اور اس اختلاف کا سبب ظلم، باہم حسد اور دنیا کے حصول میں باہم جھگڑنا ہی تھا۔ یہ آیت کے ربط کا بیان تھا۔ تفسیر آیت میں کئی مسائل ذکر کیے جاتے ہیں۔"

مذکورہ عمومی انداز ہر جگہ دیکھنے کو ملتا ہے، مزید برآں شافعی المذہب ہونے کے ناطے فقہاء کے مذاہب بیان کرنے کے بعد مسلک شافعیؒ کی تائید وحمایت میں بکثرت براہین ودلائل ذکر کرکے اسے ترجیح دیتے ہیں۔

مذکورہ صفات کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تفسیر مفاتیح الغیب میں حکماء کا طرز اختیار کرنے اور ان ہی کی طرح کلامی اور منطقی دلائل پیش کرنے کی بنا پر امام رازیؒ کبھی کبھی سیدھی سادھی بات کو منطق کے قیاسات، استنتاج اور صغریٰ کبریٰ جیسے امور کو پھیلاتے پھیلاتے اس قدر پیچیدہ بنادیتے ہیں کہ مقصودی بحث سہل بننے کی بجائے مغلق تر بن جاتی ہے [5] ۔اس کے علاوہ کبھی ایک مسئلہ پر بحث کے دوران دوسرے علم وفن کی اصطلاح یا مسئلہ آجائے تو اصل بحث کو چھوڑ کر اس کی طویل تشریح شروع کردیتے ہیں جس کی وجہ سے اصل بحث پس پشت چلی جاتی ہے۔ کبھی اپنے مدعا کے اظہار واثبات کے لیے ایک ہی بیان کو مختلف پیراوں سے اس طرح طول دے کر بیان کرتے ہیں کہ قاری کو اس میں غیر ضروری تکرار نظر آتی ہے [6]۔ اس طرح بعض اوقات ایک مسئلہ میں مختلف اقوال اور ان کے دلائل نہایت بسط وتفصیل سے ذکر کرنے کے بعد کسی بھی قول کی ترجیح کیے بغیر بات کو ادھورا چھوڑ دیتے ہیں مثلاً مسئلہ عدت طلاق کے تحت لفظ قرء کے معنی مراد حیض یا طہر ہونے میں اختلاف کو دلائل کے ساتھ تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ عِنْدَ تَعَارُضِ هَذِهِ الْوُجُوهِ تَضْعُفُ التَّرْجِيحَاتُ،وَيَكُونُ حُكْمُ اللَّهِ فِي حَقِّ الْكُلِّ مَا أَدَّى اجْتِهَادُهُ إِلَيْهِ.[7]

"یعنی فریقین کی ان تمام دلائل کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی ایک فریق کی رائے کو ترجیح دینا خاصا مشکل کام ہے۔ ہر مجتہد کی نظر میں وہی صحیح ہے جو اس کا اجتہاد ہے۔"

مذکورہ مثال کی طرح صلوۃ الوسطی کی تفسیر میں بھی اختلاف کو کئی صفحات میں مفصل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَهَذَا مَجْمُوعُ دَلَائِلِ النَّاسِ وَأَقْوَالِهِمْ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ، وَقَدْ تَرَكْتُ تَرْجِيحَ بَعْضِهَا فَإِنَّهُ يَسْتَدْعِي تَطْوِيلًا عَظِيمًا [8]

"کلام کے بہت زیادہ طویل ہونے کی وجہ سے میں نے کسی قول کی ترجیح بیان نہیں کی۔"

اتنی زیادہ تفصیل بیان کرنے کے بعد بھی قاری کو کسی نتیجہ تک نہ لے جانے سے اس کی تشنگی ختم ہونے کی بجائے بڑھ جاتی ہے۔ تاہم بحیثیت مجموعی تفسیر کبیر مختلف معقولی ومنقولی علوم کا ایک حسین مجموعہ ہے جیسا کہ پاکستانی معاصر عالم جناب تقی عثمانی اس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تفسیر کبیر انتہائی جامع تفسیر ہے اور احقر کا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ حل قرآن کے سلسلے میں جب بھی کوئی دشواری پیش آئی ہے، تفسیر کبیر نے اس معاملے میں غیر معمولی رہنمائی کی ہے۔ عموماً لوگ اس کا طول دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں لیکن یہ تطویل شروع میں زیادہ ہے بعد میں اتنی نہیں رہی اور اس سے استفادہ کیا جائے تو علم ومعرفت کے گوہر نایاب ہاتھ آتے ہیں [9]۔"

ب: معتزلہ کے تفسیری اقوال کے بیان میں امام رازیؒ کا انداز

1۔ معتزلی اقوال کی تحسین

امام رازیؒ معتزلہ کے اقوال بیان کرتے ہوئے اہل سنت والجماعت کے عمومی فکر کو سامنے رکھ کر ان پر مواخذہ بھی کرتے ہیں، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ نے کئی مقامات پر معتزلہ کے آراء کی تحسین بھی کی ہے، چنانچہ امام رازیؒ کو جہاں کوئی معتزلی قول زیادہ معقول اور مناسب لگا تو اس کی تحسین میں کسی بخل سے کام نہیں لیتے۔ جیسا کہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے: مثلاً وَلا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمانِكُمْ [10] کے تحت مشہور معتزلی عالم ابو مسلم اصفہانی کی بیان کردہ توضیح کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> وَالْمُفَسِّرُونَ أَكْثَرُوا مِنَ الْكَلَامِ فِي هَذِهِ الْآيَةِ، وَأَجْوَدُ مَا ذَكَرُوهُ وَجْهَانِ الْأَوَّلُ: وَهُوَ الَّذِي ذَكَرَهُ أَبُو مُسْلِمٍ الْأَصْفَهَانِيُّ، وَهُوَ الْأَحْسَنُ [11]
>
> "مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کافی کچھ لکھا، ان تمام میں جو دو تعبیرات سب سے عمدہ ہیں، ان میں پہلا قول ابو مسلم اصفہانی کا ہے جو سب سے خوبصورت توجیہ ہے۔"

پھر مزید فرماتے ہیں:

> هَذَا أَجْوَدُ مَا ذَكَرَهُ الْمُفَسِّرُونَ وَقَدْ طَوَّلُوا فِي كَلِمَاتٍ أُخَرَ، وَلَكِنْ لَا فَائِدَةَ فِيهَا فَتَرَكْنَاهَا، [12]
>
> "مفسرین نے جو بیان کیا ہے یہ ان سب میں بہترین تفسیر ہے۔ مفسرین نے اس کے علاوہ بھی لمبی بحث کی ہے لیکن چونکہ اس کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اس لیے اسے یہاں بیان کرنا چھوڑ دیا۔"

آیت　قالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلاقُوا اللَّهِ [13] میں چونکہ ظن (گمان) کا کہا گیا ہے چنانچہ اس موقع پر امام رازیؒ ایک سوال اٹھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں گمان خیال کرنے والے کیوں بتایا؟ یقین رکھنے والے کیوں نہیں بتایا؟ اس موقع پر امام رازیؒ نے مشہور تابعی حضرت قتادہؒ کی یہ توجیہ بھی بیان کی ہے کہ لقاءاللہ سے مراد موت ہے یعنی مومنوں کو غالب گمان تھا کہ اب ہم موت سے نہیں بچ سکتے۔ آیت کے تحت حضرت قتادہؒ کی مذکورہ رائے ذکر کرنے کے بعد ابو مسلم اصفہانی معتزلی کی رائے بیان کی ہے اور حضرت قتادہؒ کی رائے کے مقابلے میں ابو مسلم اصفہانی کی توجیہ کو ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ هَذَا قَوْلُ أَبِي مُسْلِمٍ وَهُوَ حَسَنٌ [14]

اسی طرح کئی جگہ کسی لغوی وضاحت بلاغی و بیانی بیان کے لیے جار اللہ زمخشری کی کشاف سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں [15]۔ مثلاً ایک مقام پر نہ صرف زمخشری کے لغوی کام سے استفادہ کیا ہے بلکہ اس لغوی مفہوم کے ساتھ ساتھ تعبیر کی بھی تحسین کی ہے جیسا کہ ذیل کی آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

> يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ [16]
>
> "اے پیغمبر ﷺ لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔"

وضاحت

اس آیت کی توضیح کے سلسلے میں امام رازیؒ نے خمر و میسر کے لغوی مباحث کے ساتھ فقہی احکامات بھی ذکر کیے ہیں۔ خمر کے بارے میں امام رازیؒ کے بیان کردہ تفسیری اقوال پر قبل ازیں ایک تحقیقی مضمون میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے[17]۔ تاہم ذیل میں میسر کے بارے میں ان کی آراء مختصراً ذکر کی جاتی ہیں:

امام رازیؒ پہلے میسر کے اشتقاقی بحث کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مَیْسِر جوئے کو کہا جاتا ہے۔ یہ مَوعِد اور مَرجِع کی طرح یَسَرَ یَیسِرُ سے مصدر ہے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ یہ یُسْر (آسانی) سے لیا گیا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ دوسرے کا مال آسانی سے اور بغیر کسی تھکاوٹ و مشقت کے اپنا بن جاتا ہے[18]۔ یا یہ لفظ یَسَار سے لیا گیا ہے کیونکہ میسر اس کا (یعنی یَسَار کا) سبب ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال واہل وعیال کو جوئے میں داؤ پر لگایا کرتے تھے[19]۔"

ابن قتیبہ کہتے ہیں:

" مَیْسِر کسی چیز کو حصوں میں بانٹنے اور تقسیم کرنے کو کہتے ہیں۔ یَسَرُوا الشَّيْءَ کا معنی یہ ہے کہ انھوں نے چیز کو تقسیم کر دیا۔ حصوں کو بذاتِ خود مَیْسِر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہر حصہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ یاسر تقسیم کرنے والے کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اونٹ کے گوشت کو تقسیم کرتا ہے، تیر پھینکنے والوں اور حصوں پر جوا کھیلنے والوں کے لیے إِنَّهُمْ یَاسِرُونَ جملہ کا اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ اس کام کی وجہ سے گوشت کے حصوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ "

میسر کی تعبیر میں معتزلی مفسر سے استفادہ

میسر کی اشتقاقی بحث کے بعد امام رازیؒ دور جاہلیت میں رائج میسر کی وضاحت کے لیے جار اللہ زمحشری کی تفسیر کشاف سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَأَمَّا صِفَةُ الْمَيْسِرِ فَقَالَ صَاحِبُ «الْكَشَّافِ» : كَانَتْ لَهُمْ عَشْرَةُ قِدَاحٍ، وَهِيَ الْأَزْلَامُ والأقلام الفذ، والتوأم، وَالرَّقِيبُ، وَالْحِلسُ، بِفَتْحِ الْحَاءِ وَكَسْرِ اللَّامِ، وَقِيلَ بِكَسْرِ الْحَاءِ وَسُكُونِ اللَّامِ، وَالْمُسْبِلُ، وَالْمُعَلَّى، وَالنَّافِسُ، وَالْمَنِيحُ، وَالسَّفِيحُ، وَالْوَغْدُ،[20]

"صاحب کشاف ایام جاہلیت میں جوئے کی زیادہ رائج صورت یہ بتاتے ہیں کہ ان کے پاس دس پانسے جوئے کے مخصوص تیر ہوتے تھے جنھیں وہ ازلام اور اقلام کہا کرتے تھے۔ ان کے نام کچھ اس طرح سے تھے۔ فَذ ، تَوْأَم ، رَقِیْب ، حَلِس (حا کے زبر اور لام کے زیر کے ساتھ یا حا کے زیر اور لام کے سکون کے ساتھ)، مُسْبِل، مُعَلّٰی ، نَافِس، مَنِیْح، سَفِیْح اور وَغْد۔ تین پانسوں (منیح ، سفیح اوروغد) کے سوا ان میں سے ہر پانسے کا ایک متعین حصہ اس اونٹ میں سے (جنھیں وہ ذبح کرنے کے بعد دس یا اٹھائیس حصوں میں تقسیم کرتے تھے) مقرر تھا"

جن پانسوں کے حصے مقرر تھے ان کی مقدار کی تفصیل اس طرح ہوتی تھی:

"فذ کے لیے ایک حصہ، توأم کے لیے دو، رقیب کے لے ے تین، حلس کے لیے چار، نافس کے لیے پانچ، مُسْبِل کے لیے چھ اور معلی کے لیے سات حصے مقرر تھے۔ ان تمام پانسوں کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک بااعتماد شخص کے ہاتھ میں تھمادیتے۔ پھر اسے ہلادیتے۔ اس کے بعد ایک شخص اپنا ہاتھ اس تھیلے میں ڈال کر دوسرے شخص کے نام پر ایک پانسہ نکال لیتا۔ اب جس کے نام پر جو پانسہ نکلتا تو اس کے مطابق قربانی کے اونٹ میں سے گوشت کا حصہ ملتا۔ اگر حصہ والا پانسہ ہوتا تو اسی کے بقدر اس کو حصہ ملتا تھا اور اگر بغیر حصہ والا پانسہ (منیح ، سفیح اور وغد) میں سے کوئی ہوتا تو وہ شخص بالکل محروم قرار پاتا تھا۔ اس محروم رہنے والے کو ہی پورے اونٹ کی قیمت ادا کرنا پڑتی تھی۔ اس کے بعد وہ گوشت کے تمام حصوں کو فقراء میں تقسیم کرتے اور خود ان میں سے کچھ بھی استعمال نہ کرتے تھے[21]۔"

امام رازیؒ نے دور جاہلیت میں جوئے کی رائج صورتوں کی وضاحت کے لیے کسی اہل سنت والجماعت کی تفسیر کی بجائے مشہور معتزلی مفسر جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف سے استفادہ کیا۔ امام رازیؒ کا یہ عمل ان کے وسعت ظرفی اور ہمہ جہت استفادہ کی دلیل ہے۔

2۔ معتزلی اقوال کا محاکمہ

کئی ایک مقامات پر معتزلہ کے اقوال ذکر کرنے کے بعد خالص علمی انداز سے ان کا ناقدانہ جائزہ اور تفصیلی محاکمہ فرمایا ہے جیسا کہ ذیل کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے:

1. زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا [22]

"اور جو کافر ہیں ان کے لیے دنیا کی زندگی خوشنما کر دی گئی ہے۔"

وضاحت

مذکورہ آیت میں کہا گیا ہے کہ کفار کے لیے دنیوی زندگی کو خوشنما کیا گیا ہے۔ چونکہ یہاں زُيِّنَ (صیغہ مجہول) استعمال کیا گیا ہے، اس لیے اس بات کا ذکر نہیں کہ کفار کے دلوں میں اخروی زندگی کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو مزین کرنے والی ذات کس کی ہے ؟ لہٰذا امام رازیؒ نے دو مشہور معتزلی مفسرین (ابو علی جبائی اور ابو مسلم اصفہانی) کی آراء اپنے تبصرے کے ساتھ ذکر کی ہیں اور پھر اہل سنت والجماعت کی رائے بیان کی ہے[23]۔ چنانچہ ابو علی جبائی کی رائے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ابو علی جبائی نے کفار کے لیے دنیاوی زندگی مزین بنانے کی یہ صورت بیان کی ہے کہ سرکش جنات وانس یعنی شیاطین نے کفار کے دلوں میں دنیا کی ہوس ڈال دی ہے اور حیات اخروی کو ان کی نظروں میں گرادیا۔ شیاطین نے ان کے دلوں میں یہ خیال بٹھادیا ہے کہ اخروی زندگی کا تصور درست نہیں، مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ لہٰذا اس دنیا کی بھرپور زندگی گزارنے میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔ نیز جبریہ فرقہ کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ کفار کے دلوں میں دنیا کو مزین کرنے والی ذات اللہ کی ہے کیونکہ کسی چیز کو مزین قرار دینے کا مطلب اس چیز کو اچھا قرار دینا ہے لہذا اگر دنیوی زندگی کو زینت قرار دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہو تو سوال پیدا ہوگا کہ دنیا کو مزین بنانے کا یہ خداوندی عمل درست ہوگا

یا غلط۔ اگر یہ عمل درست ہو تو پھر یہ بدیہی بات ہے کہ جس چیز (دنیوی زندگی) کو مزین قرار دیا گیا ہو وہ درست ہو اور اس کے مرتکب (کافر) کو بھی درست قرار دیا جائے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ کافر کے کفر و معصیت کو اختیار کرنا درست قرار دیا جائے کیونکہ ہم نے بطور صغریٰ پہلے یہ مفروضہ تسلیم کر لیا ہے کہ مزین کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کا عمل غلط نہیں ہو سکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک کفریہ قول ہے کہ ہم کافر کے کفر و معصیت کو درست قرار دیں۔ اگر کفار کے دلوں میں دنیا مزین کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہو اور یہ تزئین غلط قرار دی جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی کسی بات کا اعتماد باقی نہیں رہے گا کیونکہ ایک طرف کفار کے دلوں میں خود ہی دنیا کو مزین بنا دیا اور پھر اس پر اللہ گرفت بھی فرما رہے ہیں۔ لہٰذا درست بات یہ ہے کہ کفار کے دلوں میں دنیا کو مزین کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی نہیں بلکہ شیطان کی ہے[24]۔"

ابو علی جبائی (معتزلی) کی مذکورہ رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"ابو علی جبائی کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ اس آیت میں لفظ کفروا تمام کفار کے لیے شامل ہے۔ لہٰذا اس کا تقاضا ہے کہ کفار کے دلوں میں دنیوی زندگی کو مزین بنانے والی کوئی ذات ہو، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ذات کفار کے علاوہ کوئی اور ہو۔ اگر ایسا تسلیم نہ کیا جائے تو پھر لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ ہر کافر کے لیے دنیوی زندگی باعث زینت قرار دینے والی ذات اس کافر کے علاوہ دوسرا کافر ہو، اور اس طرح یہ منطقی دور بن جائے گا جو باطل ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ تمام کفار کے دلوں میں کفر کو اچھا اور خوبصورت بنانے والی ذات کوئی دوسری ہو جو کافر نہ ہو تاکہ دور لازم نہ آئے، چنانچہ جبائی کا یہ قول کہ وہ گمراہ جن و انس ہیں، باطل ہے۔ اس لیے کہ وہ گمراہ کنندہ جن و انس تو کفار ہی میں شامل ہیں جب کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ دنیوی زندگی اور کفر کو ان کے دلوں میں زینت بنانے والی ذات کفار کے علاوہ کوئی اور ہے[25]۔"

چونکہ معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ خالق شر نہیں ہیں، اس لیے ابو علی جبائی نے کفار کے دلوں میں دنیا کو مزین بنانے والی ذات اللہ کی بجائے شیطان کو قرار دیا جب کہ امام رازیؒ نے اس کی منطقی انداز سے تردید کی کہ شیطان تو خود کفار کی فہرست میں شامل ہے۔ اس لیے مزین کرنے والی ذات شیطان (کافر) کے علاوہ کوئی اور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ چونکہ معتزلہ و اہل سنت کا یہ اختلاف شر کے خلق و کسب کی بحث پر مبنی ہے اس لیے امام رازیؒ نے کئی ایک مقامات پر اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے۔

2. كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ[26]

"پہلے تو سب لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے۔"

وضاحت

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پہلے لوگ امت واحدہ کی حیثیت سے ایک ہی مذہب پر تھے، جب ان میں اختلاف ہوا

تو اللہ تعالیٰ نے امت واحدہ ہونے کے ناطے انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا۔ یہاں بدیہی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کے سلسلے سے پہلے لوگ ایک ہی مذہب کے پیروکار تھے تو وہ کون سا مذہب تھا۔اس سلسلے میں امام رازیؒ پہلے معتزلی علماء ابو مسلم اور قاضی عبدالجبار کی رائے اپنے تبصرے کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

"ابو مسلم اور قاضی کا کہنا ہے کہ لوگوں کے امت واحدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ شریعت عقلی کی اتباع میں متفق تھے۔ شریعت عقلی کا مطلب ہے کہ عقل کا تقاضہ ہے کائنات کے ایک صانع (بنانے والے) کو تسلیم کیا جائے کیونکہ کوئی چیز از خود نہیں بنتی۔ نیز عقل تقاضہ کرتی ہے کہ ایسی عظیم ذات کی عظمت کو تسلیم کیا جائے اور اس کے صفات کا اعتراف کیا جائے۔ مذکورہ اعتراف کا لازمی نتیجہ بنتا ہے کہ تمام اعمال میں اس کی مرضیات کی اطاعت گزاری اختیار کی جائے، اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا جائے، اور عقل جن امور کو قبیح سمجھتی ہے مثلاً ظلم، جھوٹ، جہل، فضولیات وغیرہ، ان سے اجتناب کیا جائے[27]۔"

آپ مزید فرماتے ہیں:

قاضی اپنے اس دعوے کے حق میں اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ آیت فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ میں حرف فا استعمال ہوا ہے جو تراخی (ایک کام کا دوسرے کام کے بعد صادر ہونا) کے لئے آتا ہے۔ نیز النَّبِيِّينَ کا لفظ جمع ہے جو عموم اور کلیت کو بتاتا ہے۔اس طرح آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ تمام انبیاء کی بعثت کا آغاز لوگوں کے امت واحدہ ہونے کے بعد ہوئی ہے اور یقینا یہ امت واحدہ ہونا انبیاء کی شریعتوں کا نتیجہ نہیں تھی، کیونکہ انبیاء کی بعثت تو بعد میں ہوئی۔ لہٰذا یہ ضروری قرار پاتا ہے کہ وحدت امت شریعت عقلی کے سلسلے میں ہو، یہ بھی حقیقت ہے کہ منعم (صاحب انعام) کا شکر ادا کرنا، پیدا کرنے والے کی اطاعت کرنا، مخلوق کے ساتھ احسان اور انصاف کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں جن کے اچھے ہونے کا علم تمام شریعتوں میں مشترک ہے، اور اسی طرح جھوٹ، ظلم، جہالت اور فضول و بے فائدہ کام وغیرہ ایسے امور ہیں جن کے اچھے نہ ہونے کا علم تمام شرائع میں مشترک ہے۔اس لئے زیادہ ظاہر یہی ہے کہ لوگ پہلے ایک ہی شریعت پر تھے جو تقاضہ عقل پر مبنی تھا۔اور بعد میں پھر متفرق اسباب کی بنا پر باہم مختلف ہو گئے۔ بقول امام رازیؒ قاضی پھر خود ایک سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا آدم علیہ السلام پہلا انسان نبی نہیں تھا؟ تو لوگوں کا رسولوں کی بعثت سے پہلے مکلف ہونے کو ثابت کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ خود ہی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ممکن ہے آدم علیہ السلام کو نبوت ملنے سے پہلے ان کی اولاد عقلی شریعتوں پر عمل کرنے میں متفق تھی۔ پھر بعد میں ان میں اختلاف پیدا ہو گیا ہو تو اللہ نے آدمؑ کو ایک شریعت دینی اور نبوت عطا کی ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے بعد آدمؑ کی شریعت مٹ گئی اور تمام لوگ پھر سے شرائع عقلیہ پر عمل کرنے کی طرف لوٹ گئے[28]۔"

امام رازیؒ نے اس مقام پر ابو مسلم اور قاضی عبدالجبار ہمدانی معتزلی کے آراء پر کوئی نقد و تبصرہ پیش نہیں کیا، محض اتنا فرمایا کہ ابو مسلم اور قاضی کی یہ رائے تب ہی درست ہو سکتی ہے کہ اشیاء کے حسن و قبح کے فیصلے میں عقل ہی کو معیار قرار دیا جائے اور محض عقل ہی کو معیار قرار دینے کی بحث و تنقید کتب اصول میں بڑی تفصیل سے موجود ہے[29]۔

ملحوظ رہے کہ امام رازیؒ نے اس مقام پر معتزلہ کے اقوال ذکر کرنے کے بعد درج ذیل رائے ذکر کی ہے:

"كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً میں الناس سے موسیٰ علیہ السلام پر یمان لانے والے اہل کتاب مراد ہیں کیونکہ اس آیت کا تعلق قبل ازیں ذکر شدہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً [30] کے ساتھ ہے جو اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس تناظر میں امت واحدہ ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ایک دین اور ایک مذہب پر مجتمع امت تھے۔ پھر جب ان میں حسد اور سرکشی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی انبیاء بھیجے۔ اللہ نے ان کے ساتھ کتابیں بھی نازل فرمائیں جیسا کہ داؤد علیہ السلام کو زبور، موسیٰ علیہ السلام کو تورات، عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اور محمد ﷺ کو قرآن عطاء کی گئی، مذکورہ رائے کو ترجیح دیتے ہوئے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ رائے الفاظِ آیت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے اور اس سے ما قبل و مابعد الفاظ کی بھی موافق ہے۔ نیز اس رائے میں سوائے اس بات کے اور کوئی اشکال نہیں کہ الناس سے ایک معین و مخصوص قوم امت موسیٰؑ مراد لینا ظاہر کے خلاف ہے۔ اس کا بھی یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ عربی زبان میں الف لام جیسا کہ عموم کے لیے استعمال ہوتا ہے، اسی طرح عہدی (تخصیص) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ قاعدہ معروف ہے[31]۔"

3۔ اہل سنت کی آراء کے مقابلے میں معتزلہ کے فقہی آراء کی ترجیح

امام رازیؒ نے کئی ایک مقامات پر اہل سنت والجماعت کی رائے کے مقابلے میں معتزلہ کی آراء کو دلائل کی بنیاد وں پر ترجیح دی ہے جیسا کہ ذیل میں چند مثالوں سے واضح کیا جاتا ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ [32]

"اور تم سے یتیموں کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان کی حالت کی اصلاح بہت اچھا کام ہے۔ اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا یعنی خرچ اکھٹا رکھنا چاہتے ہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو تکلیف میں ڈال دیتا۔ بیشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

وضاحت

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی عام عادت یہ تھی کہ یتیموں کے مال کو ناجائز طور پر اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتے تھے بلکہ بسا اوقات تو یتیم لڑکی سے اس کے مال کی حصول کی خاطر خود اپنی یا اپنے بیٹے کی شادی کرتے تا کہ مال ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم کی سختی سے تردید و ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوالَ الْيَتامى ظُلْماً إِنَّما يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ ناراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً [33]

"جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔"

اس قدر شدید وعید اور سختی سے ممانعت سننے کے بعد لوگوں نے یتیموں کے ساتھ میل ملاپ کرنا، ان کا خرچ اپنے خرچ کے ساتھ اکھٹا رکھنا، ان کے مال اور دیگر امور کی نگرانی کرنا چھوڑ دیا جس سے یتیموں کے مصالح بری طرح متأثر ہوئے اور ان کی زندگیاں انتہائی ابتری کا شکار ہوئیں۔ عام لوگوں کے لیے اس قسم کی حالت کا سامنا کرنا نہایت مشکل کام تھا اور حیران تھے کہ کیا کیا جائے۔ اگر یتیموں کے ساتھ میل ملاپ اور ان کے اموال کی نگرانی کرتے ہیں تو اس وعید شدیدہ کا مصداق بننے کا خوف ہے اور اگر جدا ہو کر انھیں اسی طرح چھوڑتے ہیں تو ان کی زندگی بری طرح متأثر ہوتی ہیں۔ پھر یہاں ایک احتمال یہ ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کے متعلق سوال کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے دلوں میں یہ سوال اٹھا ہو اور نبی ﷺ سے اس بارے میں کوئی استفسار نہ کیا ہو البتہ یہ خواہش ان کی ضرور تھی کہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی وضاحت فرمادے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔

مذکورہ آیت کے ذیل میں امام رازیؒ نے درج ذیل مقامات پر معتزلہ کی آراء ذکر کیں ہیں:

اَ. **قُلْ إِصْلاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ** (کہہ دو کہ ان کی حالت کی اصلاح بہت اچھا کام ہے۔): یتیم کے حالات کی اصلاح کے سلسلے میں امام رازیؒ کو معتزلی عالم قاضی عبدالجبار ہمدانی معتزلی کی رائے اچھی لگی ہے، چنانچہ اسے ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

> "قاضیؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں یتیم کی تمام ضروری مصلحتوں کی بہتری کا خیال رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں یتیم کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے تک اس کو تعلیم و تربیت اور ادب وغیرہ سکھانے سمیت تمام مصلحتوں کی طرف اشارہ ہے تاکہ یتیم علم و ادب کے ماحول میں پھلے پھولے کیونکہ تجارت کے ذریعے اس کی حالت کو سدھارنے کی بجائے تعلیم و تربیت سے اس کی حالت کی اصلاح کرنا زیادہ موئثر و مفید ہے[34]۔"

ب. **وَإِنْ تُخالِطُوهُمْ فَإِخْوانُكُمْ** (اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا یعنی خرچ اکھٹا رکھنا چاہتے ہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔

آیت کے مذکورہ حصے کی وضاحت کرتے ہوئے امام رازیؒ نے مخالطت کی وضاحت فرمائی ہے اور پھر آیت کی مناسبت سے اختلاط کے مختلف مفاہیم ذکر کیے ہیں اور آخر میں ایک معتزلی مفسر کے اختیار کردہ مفہوم کو بیان کرکے اس کی ترجیح بیان کی ہے۔ چنانچہ مخالطت کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مخالطت مختلف اشیاء کے ایسے طریقے پر خلط ملط ہو کر باہم ملنے کو کہتے ہیں کہ جس کے بعد کسی چیز کو اس سے جدا کرنا مشکل ہو[35]۔ اس کے بعد یتیم کے ساتھ مخالطت کی درج ذیل صورتیں بیان فرمائی ہیں:

> " ایک صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر تم کھانے، پینے، رہائش اور غلاموں میں یتیموں کے ساتھ اختلاط رکھو تو وہ تمھارے بھائی ہیں یعنی ایسا کرنا تمھارے لیے جائز ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے ڈر کے مارے احتیاط کی وجہ سے یتیموں کا کھانا پینا اور رہائش اپنے کھانے پینے اور رہائش سے جدا کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اکھٹے کھانا پینا اور ایک ہی گھر میں ساتھ رہنا ایسا مباح فرمایا جیسا کہ ایک شخص اپنے بیٹے کے مال کو استعمال کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کام ہی حسن معاشرت اور محبت

والفت کا سبب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یتیموں کا خرچ ایسے طریقے پر اپنے خرچ کے ساتھ شامل واکھٹا رکھو جس سے ان کے اموال اور دیگر مصالح ضائع نہ ہوں تو جائز ہے[36]۔"

دوسری صورت یہ ہے کہ اس مخالطت سے مراد یہ ہے کہ کفالت کرنے والوں کے لیے یتیموں کے اموال میں سے بطور عوض اپنی محنت کے بقدر لینا یا کھانا جائز ہے۔

ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اگر یتیموں کے تمام مصالح اور فوائد کا لحاظ رکھا جائے تو ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملایا جاسکتا ہے۔

مذکورہ توضیحات کے بعد معتزلی مفسر ابو مسلم اصفہانی کی درج ذیل رائے ذکر کرتے ہیں:

" خلط سے مراد شادی کے ذریعہ قرابت و رشتہ داری قائم کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ [37]"اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہو)۔اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَما يُتْلى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتابِ فِي يَتامَى النِّساءِ [38]"اے پیغمبر! لوگ تم سے یتیم عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان کے ساتھ نکاح کرنے کے معاملے میں اجازت دیتا ہے اور جو حکم اس کتاب سے پہلے دیا گیا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے۔"

امام رازیؒ نے ابو مسلم اصفہانی کی رائے کو ترجیح دی ہے اور ترجیح کے درج ذیل وجوہات بھی ذکر کی ہیں[39]:

أ. نکاح کے ذریعے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کی وجہ سے خود یتیم کی ذات کا اختلاط حاصل ہوتا ہے جب کہ شراکت میں اس کے مال کا اختلاط آتا ہے نہ کہ ذات کا۔

ب. شرکت کا ذکر تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد قُلْ إِصْلاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ میں پہلے ہو چکا ہے جب کہ نکاح اور یتیم بچیوں کی شادی کرانے کی بات اس میں داخل نہیں تھی اس لیے اس مقام پر کلام کو اسی خلط یعنی رشتہ مناکحت پر حمل کرنا اولیٰ ہے تاکہ تکرار واقع نہ ہو۔

ت. اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَإِخْوانُكُمْ ہی دلالت کرتا ہے کہ یہاں اسی قسم یعنی نکاح کے ذریعے مصاہرت کا خلط مراد ہے کیونکہ یتیم بچہ اگر کسی غیر مسلم کا بیٹا ہو تو بھی اس کے اموال کی حفاظت و نگرانی کرنا اسی طرح ضروری ہوتا ہے جس طرح کہ ایک مسلمان کے بیٹے کے لیے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس ارشاد میں مخالطت کی دوسری قسم مناکحت مراد ہو تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔

ث. اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے فوراً بعد فرمایا ہے:

وَلا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ[40]

"اور مومنو! مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرنا۔"

اس سے یہ مطلب ظاہر ہوتا ہے کہ جس مخالطت کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ ان یتیموں کے بارے میں ہے جو مسلمان ہونے کے ناطے تمھارے بھائی ہیں تو ان ہی کے ساتھ شادیاں کرو تاکہ آپس کی محبت بڑھ جائے۔ اب اگر یتیم کوئی مشرک عورت ہو تو پھر شادی نہ کرو۔

3. وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْواجاً وَصِيَّةً لِأَزْواجِهِمْ مَتاعاً إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْراجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلا جُناحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ [41]

"جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔ ہاں اگر وہ خود گھر سے چلی جائیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام یعنی نکاح کر لیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔"

وضاحت

امام رازیؒ نے اس آیت کے بارے میں نسخ اور عدم نسخ کے موقف کو ذکر کرتے ہوئے تین مختلف آراء (جمہور مفسرین، مجاہدؒ اور معتزلی عالم ابو مسلم اصفہانی) ذکر کی ہیں اور ان میں ابو مسلم کی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ آیت کے نسخ کے بارے میں تین اقوال ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پہلا قول

جمہور مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیت منسوخ ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں شوہر کی وفات کے بعد میراث میں سے بیوی کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں پاتی تھی سوائے ایک سال کے نفقہ اور سکنٰی کے، اور اس یک سالہ مدت میں عورت دوسرا نکاح بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن اسے اس چیز میں اختیار تھا کہ وہ یہ سال شوہر کے گھر میں گزارے یا اپنے گھر میں، لیکن جب وہ سال سے پہلے شوہر کے گھر سے نکل جاتی تو اس کے لیے نفقہ اور سکنٰی بھی اس کے گھر سے نکلنے سے ختم ہو جاتا تھا۔

شوہر کے مال میں سے ایک سال کا نفقہ اور سکنٰی لینے کا مطلب یہ ہوا کہ اس ایک سال میں عورت دوسرا نکاح بھی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ پہلے شوہر کے مال سے فائدہ لے رہی ہے لیکن اللہ تعالٰی نے ان دونوں حکموں کو قرآن اور سنت سے منسوخ کر دیا کیونکہ اللہ تعالٰی نے قرآن میں بیوی کا میراث میں سے حصہ مقرر فرمادیا اور سنت بھی یہی کہتی ہے کہ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ [42]۔ لہٰذا ایک سال کا نفقہ اور سکنٰی کا حکم منسوخ ہو گیا، باقی رہا ایک سال عدت گزارنے کا مسئلہ تو وہ بھی اللہ تعالٰی نے وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْواجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً [43] ارشاد فرما کر چار مہینے اور دس دن مقرر کر دی۔ جمہور مفسرین کا اسی قول پر اتفاق ہے۔

دوسرا قول

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے متعلق جس کا شوہر فوت ہو جائے دو آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ پہلی آیت جس میں ارشاد ہوتا ہے:

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً

"وہ چار مہینے اور دس دن کی عدت گزاریں گی۔"

اور دوسری یہ آیت جس میں ایک سال کی عدت کا ذکر ہے لہٰذا ان دونوں آیتوں کا نزول دو مختلف حالتوں میں ماننا ضروری ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ عورت شوہر کے مال میں سے نفقہ اور سکنٰی دونوں نہیں لیتی تو وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے پہلے کر دیا لیکن اگر عورت شوہر کے مال میں سے نفقہ اور سکنٰی لیتی ہے تو وہ ایک سال کی عدت گزارے گی۔ ان دونوں حالتوں کو سامنے رکھنا چاہیے تاکہ ان دونوں آیتوں پر عمل کیا جا سکے اور کسی آیت کو منسوخ نہ کہنا پڑے[44]۔

تیسرا قول

یہ قول ابو مسلم اصفہانیؒ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے وہ لوگ جو مر گئے اور بیویاں چھوڑ گئے ہوں اور ان کے لیے ایک سال کے نفقہ اور سکنٰی کی وصیت بھی کر گئے ہوں اگر ان کی بیویاں ان کی وصیت پر عمل نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ نے چار ماہ دس دن کی جو مدت ان کے لیے مقرر کی اس کو پورا کرنے کے بعد گھر سے نکل جائیں تو ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو کچھ وہ اپنے حق میں پسندیدہ کام سمجھیں وہ کر لیں کیونکہ ان کے حق میں اس وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں ہے۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے ابو مسلمؒ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں مکمل ایک سال کے نفقہ اور سکنٰی کی وصیت کی جاتی تھی اور عورت پر عدت کا پورا ایک سال واجب ہوتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرما دیا کہ اس وصیت پر عمل کرنا واجب نہیں ہے لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں جس کی بہت سی وجوہات ہیں :

پہلی وجہ: نسخ اصل یعنی عام قاعدہ کے خلاف ہے اس لیے جہاں تک ممکن ہو سکے اصل عدم نسخ کی طرف ہی جانا چاہیے۔

دوسری وجہ: ناسخ کا نزول منسوخ کے بعد ہونا چاہیے اور جب ناسخ کا نزول منسوخ کے بعد ہے تو تلاوت کی ترتیب میں بھی اس ناسخ کو منسوخ کے بعد ہی ہونا چاہیے کیونکہ یہی اعلیٰ اور عمدہ ترتیب ہے۔ اگرچہ تلاوت کے اعتبار سے ناسخ کے منسوخ سے پہلے آنے میں ویسے کوئی حرج نہیں اور یہ جائز بھی ہے لیکن پھر بھی چونکہ یہ عمدہ ترتیب شمار نہیں کی جاتی اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو جہاں تک ممکن ہو ایسی معمولی باتوں سے بھی پاک سمجھنا لازم ہے اس لیے مذکورہ صورت میں جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ آیت تلاوت کے اعتبار سے بعد میں آ رہی ہے تو اس پر منسوخ ہونے کا حکم کرنا صحیح نہیں۔

تیسری وجہ: اصول فقہ کا علم بھی ہمیں یہی بتاتا ہے جب نسخ اور تخصیص میں تعارض واقع ہو جائے تو تخصیص کو لینا افضل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ان دونوں آیتوں کو دو مختلف حالتوں میں تصور کیا جائے تو نسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ مجاہدؒ نے اس کو بیان کیا لہٰذا بغیر کسی دلیل کے نسخ ثابت کرنے سے بہتر ہے کہ مجاہدؒ کے قول پر عمل کیا جائے۔ جو بات ابو مسلمؒ نے کہی وہ اس سے بھی واضح ہے۔

اس مقام پر امام رازیؒ ابو مسلم صفہانی کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بھی سلیم العقل بندہ اس کو دیکھے گا تو یہی کہے گا کہ ابو مسلمؒ کا کہنا درست ہے کیونکہ بغیر دلیل کے نسخ ثابت نہیں ہوتا اور ویسے بھی تلاوت کے اعتبار سے یہ آیت بعد میں آرہی ہے اور منسوخ کا ناسخ کے بعد آنا ترتیب کے خلاف ہے اور کلام اللہ ایسی ترتیب سے پاک ہے اور یہ بات واضح ہے[45]۔

مذکورہ بالا امثلہ کے علاوہ کافی مقامات پر امام رازیؒ نے معتزلہ کے تفسیری اقوال کا ذکر بطور دلیل واستشہاد یا تائید فرمایا ہے یا ان کی رائے سے اختلاف کر کے ان پر جرح و تردید فرمائی ہے یا محض علمی فائدے کے لیے ان کی رائے ذکر کر کے اس پر کسی تبصرہ کی بجائے سکوت فرمایا ہے[46]۔

خلاصہ

مذکورہ بالا بحث سے ہم درج ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

تفسیری سرمایہ میں متقدمین و متأخرین کی کئی تفاسیر نمایاں مقام رکھتی ہیں تاہم بعض تفاسیر کو اللہ تعالیٰ نے متعدد خصوصیات کی بنا پر کچھ ایسی قبولیت بخشی ہے کہ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی ان کی اہمیت کم نہیں بلکہ اس میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایسی ہی تفاسیر میں امام فخر الدین رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) کی تفسیر مفاتیح الغیب نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اس تفسیر کو تفسیر کبیر کا نام دینا گویا اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ قرآنی تفسیر کی انسائیکلوپیڈیا ہے اور اس میں اپنے پیش رو تمام تفاسیر کی خصوصیات جمع ہیں۔ یہ تفسیر بیک وقت روایت و درایت، عقل و نقل، فقہی مسائل، تقابل ادیان و مذاہب اور رموز تصوف کا حسین مرقع ہے۔

بحیثیت مجموعی تفسیر کبیر مختلف معقولی و منقولی علوم کا ایک حسین مجموعہ ہے، تاہم عموماً لوگ اس کا طول دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں لیکن یہ تطویل شروع میں زیادہ ہے بعد میں اتنی نہیں رہی اور اس سے استفادہ کیا جائے تو علم و معرفت کے گوہر نایاب ہاتھ آتے ہیں۔ امام رازیؒ معتزلہ کے اقوال بیان کرتے ہوئے اہل سنت والجماعت کے عمومی فکر کو سامنے رکھ کر ان پر مواخذہ بھی کرتے ہیں، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ نے کئی مقامات پر معتزلہ کے آراء کی تحسین بھی کی ہے۔ تفسیر کبیر امام رازیؒ کی مختلف علوم میں وسعت علمی کا مظہر ہے۔ امام رازیؒ کا معتزلہ کے بارے میں اختیار کرنے والا منہج اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ جادہ حق پر رہتے ہوئے علمی تحقیقات میں ہر کسی سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1 چونکہ بندہ نے تفسیر کبیر کے جلد ششم کو اپنے پی ایچ ڈی تحقیق کے لیے منتخب کیا تھا اس لیے زیر نظر تحقیقی مضمون اسی جلد ششم کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے۔
2 الذہبی، محمد السید حسین، التفسیر والمفسرون 1: 206، مکتبۃ وہبۃ القاہرہ (س۔ن)
3 الرازی، محمد بن عمر، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) سورۃ البقرہ 2: 212 ، مکتب الاعلام الاسلامی، ایران، 1413ھ
4 نفس مصدر، سورۃ البقرہ 2: 213
5 مثلاً آیت 217 میں حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ کے تحت مسئلہ ارتداد ملاحظہ ہوں۔ (تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ 2: 217
6 مثلا كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً کی تفسیر ملاحظہ ہوں۔ نفس مصدر، سورۃ البقرہ 2: 213
7 نفس مصدر، سورۃ البقرہ 2: 228
8 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ 6: 238
9 تقی عثمانی، علوم القرآن: 505، مکتبہ دار العلوم کراچی، 1995ء
10 سورۃ البقرہ 2: 224
11 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ 2: 224
12 نفس مصدر، سورۃ البقرہ 2: 224
13 سورۃ البقرۃ 2: 249
14 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ 2: 249
15 مثلاً ملاحظہ ہوں: تفسیر کبیر 6: 48، 92، 94، 108، 127، 132، 146، 184، 189 اور 194
16 سورۃ البقرۃ 2: 219
17 شش ماہی تحقیقی مجلہ "ہزارہ اسلامیکس" جلد: 2، شمارہ: 1، جنوری تا جون 2013، صفحہ 29-40
18 یہ مجاہد کا قول بھی ہے۔ (ابو الحسن مقاتل بن سلیمان، تفسیر مقاتل، سورۃ البقرہ 2: 219 ، دار احیاء التراث، بیروت، 1432ھ)
19 تفسیر الطبری، سورۃ البقرہ 2: 219، مؤسسۃ الرسالہ، 1423ھ
20 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ 2: 219
21 نفس المصدر، سورۃ البقرہ 2: 219
22 سورۃ البقرۃ 2: 212
23 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ 6: 212
24 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ 6: 212
25 نفس مصدر، سورۃ البقرہ 6: 212
26 سورۃ البقرہ 2: 213
27 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ 6: 213

28 نفس مصدر، سورۃ البقرہ6: 213

29 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ6: 213

30 سورۃ البقرہ2: 208

31 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ2: 213

32 سورہ البقرہ:2: 220

33 سورۃ النساء4: 10

34 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ2: 220

35 نفس مصدر، سورۃ البقرہ2: 220

36 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ2: 220

37 سورۃ النساء4: 3

38 سورۃ النساء4: 127

39 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ2: 220،آیت ۲۲۰

40 سورۃ البقرہ2: 221

41 سورۃ البقرہ2: 240

42 ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، باب لا وصیۃ لوارث، حدیث(2714)دار احیاء الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی(س۔ن)

43 سورۃ البقرہ2: 234

44 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ2: 240

45 نفس مصدر، سورۃ البقرہ2: 240

46 تفسیر کبیر، سورۃ البقرہ2: 212، 213، 217، 222، 228، 234، 239، 243، 247، اور 254